فلسفۂ تاریخ اور نظریہ ظہور، شہید صدرؒ کی نگاہ میں

مولف: علی رضا نودہی
مترجم: منہال حسین خیرآبادی

فلسفۂ تاریخ کی بحث کو شروع کرنے سے پہلے ہم ظہور کی ماہیت اور اس سے متعلق نظریات کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

الف) ظہور کا دفعی (ناگہانی) ہونا[1]

اس نظریہ کے مطابق ظہور کی ماہیت دفعی وناگہانی ہے یعنی جب ظلم و ستم آخری حد پر پہنچ جائے گا تو بشریت کو نجات دینے اور سعادت کا راستہ ہموار کرنے کے لئے دست غیب آگے بڑھے گا اور ظہور ہو جائے گا۔

اس نظریہ کے مطابق ظہور سے پہلے ہر قسم کا اصلاحی کام بے سود ہوگا اور ہر قسم کا گناہ، فساد و ظلم و ستم، ظہور کو نزدیک کرے گا، یعنی ظہور کی تعجیل کے لئے ظلم و ستم کو رواج دینا ہوگا۔ یعنی اس نظریہ کے ماننے والے معتقد ہیں کہ ظہور کے اسباب غیبی ہیں اور اس کی بنیاد اسی پر استوار ہے۔

ب) ظہور کا تدریجی ہونا

اس نظریہ کے مطابق طبیعی اسباب و علل اور تاریخ کے جبری عوامل ظہور کے تحقق کا باعث ہیں، یعنی اسی وقت ظہور ہوگا جب انسانوں کی عقلیں کامل اور ان میں عدالت پر مبنی حکومت الٰہیہ کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے لہٰذا ایسے مقدمات کے فراہم ہونے میں طبیعی اسباب و علل اور تاریخ کے جبری عوامل کے مقابلے میں انسانوں کا ارادہ اور اختیار بہت کارساز نہیں ہو سکتا۔

ج) ظہور کا اختیاری ہونا[2]

اس نظریہ کے مطابق انسان کا ارادہ اور اس کا اختیار ظہور کے زمانے کو مقدم و موخر کرنے کا اصلی سبب اور

---

۱. مرتضی مطہری، قیام وانقلاب امام مہدی از دیدگاہ فلسفہ تاریخ، ص ۵۴۔
۲. علی رضا نودہی، اختیاری بودن ظہور، مجلّہ موعود، شمارہ ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲۔

عامل ہے اس نظریہ کے مطابق موعود کی حکومت کے نظریہ کو بہترین انداز میں پیش کرنا ہوگا اور نہایت دقت نظر اور غور و خوض کے ذریعہ ایک جامع منصوبہ بنانا ہوگا۔ ظہور ایک عظیم ہدف کا نام ہے جسے محقق کرنے کے لئے طویل منصوبہ بندی اور جانفشانیوں کی ضرورت ہے۔ اہداف اور اس کے حصول کی راہوں کا تعین اور پھر انہیں مرحلہ اجرا سے گذارنا ظہور کے بنیادی شرائط میں سے ہے، یعنی انسان کا ارادہ اور اختیار، طبیعت اور اس کے قوانین میں دخیل ہوتا ہے اور خود انسان تاریخ ساز ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ظہور کے مقدمات انسانوں کے ارادہ کے ساتھ زندگی کے ثقافتی، سیاسی، اقتصادی، حفاظتی اور سلامتی میدانوں میں پائے جاتے ہیں۔ جب ظہور کے مقدمات فراہم ہو جائیں گے تو خداوند عالم کا لطف بھی شامل ہوگا اور اس طرح انسان ایک عظیم انقلاب کی دنیا میں قدم رکھے گا۔

اس آخری نظریہ کو بہت سے لوگوں نے قبول کیا ہے لیکن شہید صدرؒ نے اس پر جامع و کامل بحث کی ہے، ان کے نظریہ کے مطابق یہ انقلاب دنیا کے دیگر انقلابات کی طرح طبیعی عوامل سے وابستہ ہے۔ اس نکتہ کو شہیدؒ نے بہت اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ اس بحث میں وارد ہونے کے لئے سب سے پہلے دو اہم موضوعات کی طرف اشارہ کرنا لازم و ضروری ہے:

شہر مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد مسلمان منظّم ہوئے اور وہاں ایک چھوٹی مگر جامع وکامل اور قدرتمند حکومت قائم کر کے گویا انہوں نے ایک عالمی حکومت کی بنیاد رکھی، سقیفہ کے واقعہ نے اسلامی حکومت کے رخ کو موڑ دیا، عاشور کے روز امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب نے یزید کی بیعت سے صاف انکار کر دیا اور جام شہادت کو نوش کر لیا، امام خمینیؒ نے جلاوطنی کو قبول کیا اور اپنے پیغامات کے ذریعہ ایران کے عوام کو بیدار کرتے رہے اور اس طرح تاریخ کا سب سے بڑا انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

یہ تاریخ کے وہ وقائع ہیں جو برحق مانے جاتے ہیں لیکن اسی وقت زندگی میں اثر گذار ثابت ہو سکتے ہیں جب ان کے تمام زاویوں پر گفتگو ہو اور اس کے متعلق خوب تحقیق کی جائے؛ کہ آخر کیا وجہ تھی کہ مدینہ کی جانب پیغمبر اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد مسلمان کامیاب ہوئے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر مذکورہ وقائع اور حوادث کو فلسفہ تاریخ کے روشندان سے پرکھا جائے تو ان سے کچھ ثابت و اٹل قوانین نکالے جاسکتے ہیں؛ جیسے کہ یکجہتی کامیابی کا راز ہے، چھوٹی چھوٹی حکومتیں، عالمی حکومتوں کی بنیاد ہیں۔ اسلامی حکومت کی تباہی کی وجہ قدرت طلب اور کینہ توز لوگ ہیں وغیرہ وغیرہ۔

فلسفہ تاریخ میں تاریخ کی قانونمندی کی جانچ کے ساتھ اس کی افادیت پر بھی تحقیق ہوتی ہے؛ مثال کے طور پر کیا گذشتہ حوادث دوبارہ قابل تکرار ہیں؟ کیا انسانی حیات ایک خاص ہدف کی جانب رواں دواں ہے؟ انسانی زندگی کی گاڑی تباہی کے راستے پر دوڑ رہی ہے یا کامیابی کی جانب گامزن ہے؟ کیا اس گاڑی کو

دوڑانے والے طبیعت کے جبری قوانین ہیں یا خود خدا ہے یا اس میں انسان بھی موثر واقع ہو سکتا ہے؟ ایسے سوالوں کے جواب فلسفہ تاریخ میں دیئے جاتے ہیں۔

تاریخ میں مستقبل کی تلاش

جب یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ تاریخ قانونمندی اور افادیت پر مشتمل ہوتی ہے تو پھر اس میں مستقبل کی تلاش کی بحث شروع ہوتی ہے۔ اگر ہم تاریخ کے قوانین کو جبری اور لازمی قرار دیں اور یہ قوانین صفحہ تاریخ کے مطلق العنان حکمران ہوں تو پھر بہت آسانی سے مستقبل کی تلاش کی جاسکتی ہے۔ اگر جبری اور لازمی قوانین کے علاوہ دیگر اسباب و علل جیسے انسانوں کے ارادے اور اختیار کو بھی دخیل مان لیا جائے تو پھر تاریخ کی دنیا میں آئندہ کی تلاش بہت دشوار ہو جائے گی۔ تاریخ میں انسانوں کی دخالت جس قدر زیادہ ہو گی اسی قدر مستقبل کی پیشین گوئی کرنا مشکل ہو گا۔

حضرت رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

> ”اگر دنیا کی عمر سے صرف ایک دن بھی بچا ہو گا تو خداوند عالم میرے اہل بیتؑ کی ایک فرد کو حکم دے گا کہ وہ اس دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے بالکل اسی طرح کہ جیسے وہ ظلم و ستم سے بھری ہو گی“[۱]۔

یہ روایت حقیقت میں تاریخ کی پیشین گوئی اور مستقبل کی تلاش ہے، اگر ہم تاریخ پر مسلط قوانین اور اس کی حرکت کو جبری اور لازمی مان لیں تو پھر ایسی پیشین گوئی علمی ترقی کی وجہ سے ہو گی لیکن اگر تاریخ کے قوانین کو مشروط گردانیں تو پھر اس خبر کو ہر حال میں غیبی ماننا پڑے اس لئے کہ اس منزل تک علم بشری کی پرواز ناممکن ہے۔

تاریخ میں جبر و اختیار

تاریخ میں جبر کا ہونا ایک ایسا عقیدہ ہے جسے ہر دور میں قدرت کے شیدائی اور ظالم و جابر حکمرانوں نے ہوا دینے کی کوشش کی ہے اس لئے کہ اس عقیدہ کو تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی بھی قسم کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دے بطور مثال اگر کوئی سامراج ملک کسی تہذیب کو تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کی تباہی کا میں کسی بھی حال میں ذمہ دار نہیں ہوں اس لئے کہ یہ سارے حوادث تاریخ میں جبر کی وجہ سے انجام پائے ہیں۔ پس جبر اور ذمہ داری قبول کرنے کے درمیان

۱۔ ابو داؤد، سلیمان ابن الاشعث، صحیح سنن المصطفیٰ، ج ۲، ص ۲۰۷۔

رابطہ عکس اور تضاد کا ہے، اس لئے کہ ہم جس قدر تاریخ میں جبر کے قائل ہوں گے اسی حد تک تاریخی واقعات میں انسانوں کی ذمہ داری اور ان کی دخالت کو معمولی دکھائیں گے اور جس قدر تاریخ کے اختیار کے معتقد ہوں گے اسی حد تک انسانوں کی ذمہ داری کو زیادہ دکھائیں گے، اگر ہم تاریخ میں جبر مطلق کے قائل ہو جائیں تو انسان نہ تنہا امام زمانہؑ کے ظہور کے لئے کچھ نہیں کر سکتا بلکہ ایسی صورت میں ظہور کی دعا کرنا بھی مہمل ہو جائے گا اس لئے کہ اس عقیدہ کی تسلیم کرنے کے بعد ظہور کا زمانہ اور اس کا وقت معین شدہ ہے اور وہ اپنے معینہ زمانہ اور وقت میں جبری قانون کی بنا پر واقع ہو گا۔

جبر تاریخ کے طرفداروں کے مقابلے میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اختیار تاریخ کے قائل ہیں جیسے پوپر اور آیزا برلین۔ ان کا کہنا ہے کہ تاریخ انسانوں کے لئے میدان عمل ہے اور انسان مختار اور آزاد پیدا ہوا ہے جو اپنی آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی بھی قسم کی تبدیلی کو روک سکتا ہے پس جب یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ انسان صاحب اختیار ہے نہ کہ تاریخ تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ تاریخ میں کوئی جبر نہیں ہے[1]۔

فلسفہ تاریخ شہید صدرؒ کی نظر میں

تاریخ کا جائزہ لینا اقوام و ملل کے ساتھ پیش آنے والے حوادث اور واقعات کے سلسلہ میں غور و فکر کرنا ہے۔ یہ اصطلاح اٹھارویں صدی کے خاتمہ پر جرمن دانشوروں کی جانب سے استعمال ہوئی۔ اس سے پہلے یورپ میں تاریخ کا کوئی مفہوم نہیں تھا اور اگر تاریخ کے نام پر کچھ پایا جاتا تھا تو وہ داستانیں اور سرداروں کے کارنامے تھے اور بس، اسی طرح ابن خلدون کے زمانے یعنی چودہویں صدی تک مسلمانوں کے درمیان تاریخ کا یہی مطلب تھا، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تاریخی واقعات منظّم اور مشیت الٰہی کے تابع ہوتے ہیں لیکن یہ مطلب یورپی دانشوروں کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی اس لئے کہ عیسائی علما اور ان سے پہلے یہودی علما اپنے چاہنے والوں کو اسی عقیدہ کی تلقین کیا کرتے تھے[2]۔

شہید صدرؒ فرماتے ہیں:

> ''اس قرآنی مفہوم (تاریخ کی سنت) کا انکشاف ایک بڑی کامیابی ہے اس لئے کہ ہم اپنی معلومات کی حد تک قرآن کو سب سے پہلی کتاب سمجھتے ہیں جس نے اس مفہوم سے پردہ اٹھایا ہے اور اس کی بڑی تاکید بھی کی ہے اور اپنے تمام ذرائع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تاریخی سنتوں کو بیان کیا ہے

---

١. مرتضی مطہری، فلسفہ تاریخ، ص۲۲۱۔
٢. ہگل، عقل در تاریخ، مترجم حمید عنایت، ص۱۰۔

اور اس کی حمایت میں ان لوگوں کا شدت سے مقابلہ کیا ہے جو کہتے ہیں کہ تاریخی واقعات خود بخود رونما ہوتے ہیں، اسی طرح ان لوگوں کا بھی منہ توڑ جواب دیا ہے جو قائل ہیں کہ تاریخی واقعات غیبی مقدرات ہیں اور ہمارے پاس ان کے سامنے تسلیم ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے''[۱]۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''اس مفہوم کے انکشاف کا عظیم کارنامہ باعث ہوا کہ انسانی زندگی میں تاریخ کی علمی تاثیر کے درک وفہم کے ذریعہ بشری افکار واندیشہ کو ہوشیاری کا موقع فراہم ہو جائے، اسی بنا پر قرآن کریم کے نازل ہونے کے آٹھ سو سال بعد خود مسلمانوں نے اس مہم کا آغاز کیا، ابن خلدون نے تاریخ کے سلسلہ میں تحقیق، سنتوں کی تلاش اور اس کے قوانین کو کشف کرنے کا کام شروع کیا، ان کے بعد کم از کم چار سو سال گذرنے کے بعد یورپ کے دانشوروں نے دورہ رنسانس کے اوائل میں اسی نہج پر تاریخ کی جانچ پڑتال شروع کی جسے مسلمانوں نے شروع کرنے کے بعد چھوڑ دیا تھا اور اس طرح جس مہم کو مسلمانوں نے کمال تک پہنچانے سے صرف نظر کر لیا تھا مغربی دانشوروں نے دورہ رنسانس میں اسے لے کر تاریخ اور اس کی سنتوں کو سمجھنے کا سلسلہ شروع کیا''[۲]۔

شہید صدرؒ کا عقیدہ تھا:

''قرآن کریم نے مختلف زبانوں اور لہجوں میں تاریخ کے فلسفہ کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے؛ کبھی اس نے تاریخی سنتوں کو بیان کیا ہے اور کبھی انہیں کشف کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور کہیں اپنا نظریہ بھی بیان کیا ہے''[۳]۔

آپؒ ایک دوسرے مقام پر تاریخی سنتوں کو کشف کرنے کی ضرورت اور فلسفہ تاریخ کو سمجھنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عام لوگ تاریخی وقائع کو غیر مربوط واقعات کا نام دیتے ہیں جو قضاو قدر، خدا کی مشیت یا اس کی بارگاہ میں تسلیم ہونے کی وجہ سے پیش آتے ہیں لیکن قرآن کریم نے اس فکر کا مقابلہ بہت

---

۱. سنت ہای تاریخ در قرآن، مترجم ڈاکٹر سید جلال الدین موسوی، ص۸۷۔

۲. ایضاً۔

۳. ایضاً، ص۵۷۔

شدت سے کیا ہے اور ہر گز کسی بھی واقعہ کو قدرت نمائی یا تسلیم ہونے کا نتیجہ نہیں ٹھہرایا ہے بلکہ انسانوں کو تعلیم دیتا ہے کہ ایسے واقعات میں سنن اور قوانین حکم فرما ہیں اور انسان کو اپنی قسمت پر قبضہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی سنتوں اور قوانین کو سمجھے اور ان میں نفوذ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اچھی طرح ان کی معرفت حاصل کرے لیکن اگر آپ نے اپنی آنکھیں بند کرلیں تو وہ سنتیں اور قوانین آپ پر حاوی ہو جائیں گی لہٰذا اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور تاریخ کی سنتوں اور قوانین سے واقفیت حاصل کریں تاکہ آپ ان پر حکومت کرسکیں، ایسا نہ ہو کہ وہ آپ پر حکومت کرنے لگیں"[1]۔

تکامل تاریخ

کیا تاریخ تکامل، ارتقا اور عدالت کے راستے پر گامزن ہے یا پھر وہ تباہی، تاریکی اور ظلمات کی طرف بڑھ رہی ہے؟

علامہ جعفری تاریخ کے سفر کے بارے میں فرماتے ہیں:

"انسانوں کا تاریخ کے تکامل کی راہ میں سفر کرنا ایک بہت ہی مبہم اور غیر قابل توضیح و اثبات مسئلہ ہے، اس لئے کہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ طبیعت میں انسانوں کی من مانی اور نابجا تصرفات و تفکرات اور بعض شعبہ جات میں انسانوں کے بڑھتے ہوئے نفوذ سے دو آخری صدیوں میں اگر علمی آئینہ سے دیکھا جائے تو انسانوں کی ترقی بڑی توجہ طلب رہی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ ترقی جس نے تمام انسانی اقدار اور عظمتوں کو پامال کردیا ہے اسے ہم ترقی اور تکامل کا نام دے سکتے ہیں؟"[2]

شہید صدرؒ کی نگاہ میں تاریخ کا سفر ترقی کی راہ پر گامزن تھا اور آج کی مغربی تہذیب تاریخ کی اسی ترقی کا واضح ثبوت ہے، آپؒ نے مسلمانوں کو دعوت دی ہے کہ وہ موجودہ مغربی تمدن کا مطالعہ کریں اور اس کی جانچ پڑتال کریں اس لئے کہ یہ تاریخ بشر کی تکامل یافتہ تصویر ہے....۔

آپؒ نے مغربی تہذیب اور اس کے ثمرات کو دو حصوں مادی اور اجتماعی و سیاسی میں تقسیم کیا ہے، جس میں پہلی قسم کا استعمال آسان اور اس کے خطرات ناچیز ہیں لیکن دوسری قسم کے سلسلہ میں آپ کا عقیدہ ہے کہ اس کا مطالعہ کرنے سے پہلے اسلامی مفاہیم اور تہذیب کو ماخذ کے طور پر اختیار کیا جانا چاہئے

---

۱. سنت ہای تاریخ در قرآن، مترجم ڈاکٹر سید جلال الدین موسوی، ص ۷۹۔

۲. ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ، ج۱۶، ص ۱۳۲۔

اور پوری احتیاط کے ساتھ ہر اس چیز کو اپنا لینا چاہئے جو ہمارے دین اسلام کے ساتھ سازگار ہو اور اس راہ میں تحریف اور دین کی غلط تفسیر سے پرہیز کرنا چاہئے[1]۔

آخری دو سو سالوں میں بے شمار اسلامی دانشور مغربی اجتماعی اور سیاسی نظام سے بد بینی اور نادرست تفسیر کی بناپر ناخواستہ تحریف اور بدعت کے دلدل میں گرفتار ہوگئے ہیں اور ان کے درمیان کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا اور اپنے آپ کو نئی دنیا اور اس کی ترقیات سے بہت دور رکھا[2]۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مغربی تہذیب میں خوبیاں بھی ہیں لیکن اس کی جانچ پڑتال اور تحقیق و تفحص کرنے میں حد سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے اس لئے کہ مغربی دانشوروں کے زیادہ تر نظریات نادرست اہداف و مقاصد پر استوار ہیں، مثال کے طور پر فوکویاما جیسے دانشوروں کا پایان تاریخ کے سلسلہ میں نظریہ جو مغربی تہذیب کے دنیا کی تمام تہذیبوں پر غالب ہونے اور پوری دنیا میں پھیل جانے پر مبنی ہے اور تہذیبوں کے ٹکراؤ پر مبنی ہنٹنگٹن کے نظریہ میں بھی تہذیبوں کی جنگ اور اس کے ٹکراؤ کو بیان کیا گیا ہے اور مغربی تہذیب کو فاتح کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے، ایسے تمام نظریات سے سامراجیت کی بو آتی ہے اور ان میں استعماری پہلو پوشیدہ ہیں[3]۔

تکامل تاریخ کا نظریہ ظہور کے اختیاری ہونے کے نظریہ سے بہت قریب ہے۔ اس نظریہ کے مطابق عقل اور علم کا کمال تک پہنچنا ظہور کے مترادف ہے۔

آج کا انسان جابر حکومتوں کے بڑے بڑے دعوے اور تہذیب کے نام پر نئے نئے نعروں سے خستہ ہو چکا ہے اور اب اس فکر میں ہے کہ وہ بڑی بڑی حکومتوں کو چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تبدیل کر دے، اس لئے کہ بشری کاوشیں اسی نتیجہ پر پہنچی ہیں اور یہی وہ عنصر ہے جو مہدی موعود(عج) کے ظہور کے مقدمات کو فراہم کر سکتا ہے۔

آج دنیا میں اسلام کے تئیں لوگوں کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے، قومیں ایک دوسرے سے نزدیک اور متحد ہوتی جا رہی ہیں اور عالمی ظلم و ستم اور حق تلفی کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہی ہیں۔

تاریخ کی حرکت اور اس کا مقصد

---

۱. علی معموری، نظریہ ہای سیاسی شہید صدرؒ، ص۱۸۶۔
۲. علی معموری، نظریہ ہای سیاسی شہید صدرؒ، ص۱۸۶۔
۳. ایضاً، ص۱۹۳۔

طبیعت میں دو قسم کی حرکتیں پائی جاتی ہیں، جبری حرکتیں جو سابقہ علل واسباب کی وجہ سے ہیں جن میں انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے اور دوسری وہ حرکت ہے جو انسان کے ارادہ سے وابستہ اور ہدفمند ہے، انسان اپنے اہداف کے پیش نظر اس طبیعت میں کچھ اقدامات انجام دیتا ہے تاکہ اپنے اہداف کو جامہ عمل پہنا سکے۔

اس موضوع کو شہید صدرؒ مفصل اور دقیق الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

''انسان اپنی ذاتی استعداد کے ذریعہ تاریخ کی حرکت کی بنیاد ڈالتا ہے۔ تاریخ کی حرکت دیگر حرکتوں سے اس لئے ممتاز سمجھی جاتی ہے کہ اس میں ہدف اور مقصد ہوتا ہے یعنی تاریخ کی حرکت ہمیشہ بامقصد ہوتی ہے، اس کی علت غائی معین ہے، اس میں آئندہ نگری ہوتی ہے اور یہ آئندہ نگری تاریخ کی حرکت میں روح پھونکتی ہے، ایسا مستقبل جو اس وقت موجود نہیں ہے اور صرف ذہنی وجود کے زاویہ سے اسے دیکھا جارہا ہے، پس اس کا ذہنی وجود جہاں اس کے فکری ہونے کو ثابت کرتا ہے وہیں ایک طاقت اور ارادہ کی نشاندہی بھی کرتا ہے جو انسان کو ہدف کی جانب گامزن رہنے کی تشویق کرتا ہے اور اس طرح فکر یعنی ہدف اور ارادہ قدرت کے باہمی ارتباط سے مستقبل کی تعمیر اور سماج میں نقل وحرکت کے حوالہ سے جان پڑ جاتی ہے''[۱]۔

ہر تاریخی حرکت کا آئیڈیل بڑا ہوتا ہے اور یہ بڑا آئیڈیل اس کے لئے ہدف اور مقصد کو معین کرتا ہے، یہ ہدف اور مقصد جانفشانیوں اور حرکتوں کو عظیم مقصد کی راہ میں لگا دیتے ہیں[۲]۔

پس انسان کا یہ مقصد اور ہدف جس حد تک دقیق، نامحدود اور واقعی ہوگا اس کو حاصل کرنے کا جذبہ بھی اتنا ہی زیادہ اور شدید ہوگا اور یہ جذبہ جتنا شدید اور قوی ہوگا اتنا ہی اثر انداز ہوگا، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کوئی بھی نقل وحرکت اسی وقت ثمر بخش ہوتی ہے جب اس کے اہداف و مقاصد واقعی ہوں، پس تاریخ کی راہ میں سب سے پہلا قدم آئیڈیل اور نمونہ کی پہچان اور حقیقی اہداف و مقاصد کی شناخت ہے۔

شہید صدرؒ تاریخ کے نمونہ اور مقاصد کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں[۳]:

الف: پست نمونہ (مادی زندگی)

یہ ایک ایسا نمونہ ہے جسے موجودہ سماج کے حالات و شرائط نے جنم دیا ہے، اس قسم کے نمونے بار بار وجود میں آتے ہیں اور ذلت بار ہوتے ہیں، جب تاریخ ایسے نمونوں کے زیر سایہ حرکت کرتی ہے تو اس کی

۱. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص۱۴۶۔
۲. ایضاً، ص۱۱۵۔
۳. ایضاً، ص۱۵۲۔

حرکت تکراری ہوتی ہے یعنی وہ موجودہ حالت میں بغیر کسی تبدیلی کے اسے مستقبل میں بدلتی ہے۔ قرآن کریم کی نظر میں ایسے نمونے ہمیشہ ان دو علل و اسباب میں سے کسی ایک کے ذریعہ وجود میں آتے ہیں :

پہلا سبب نفسیاتی ہے جیسے، عادت، بے ہودگی اور حماقت:

"قَالُواْ حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْلَمُونَ شَيْئاً وَلاَ يَهْتَدُونَ"[۱]۔

ترجمہ: وہ لوگ کہتے ہیں ہمیں جو کچھ ہمارے آباء و اجداد سے ہمیں ملا ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے اگرچہ ان کے آباء واجداد کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور ہدایت یافتہ نہ ہوں۔

دوسرا اسبب خارجی ہے جیسے تاریخ میں وقت کے فرعونوں اور ظالموں کا انسانوں پر مسلط رہنا:

"وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي"[۲]۔

ترجمہ: اور فرعون نے کہا: اے قوم کے بزرگو! میں تمہارے لئے اپنے علاوہ کسی اور کو خدا نہیں سمجھتا۔

وہ سماج اور قوم جو پست اور مادی نمونوں کی حامی ہے وہ ایک تکراری حالت میں اپنی زندگی گذارتی ہے یعنی ان کے لئے تاریخ کی حرکت تکراری اور یکساں ہو جاتی ہے جس کی بناپر وہ سماج اور اس میں جینے والے لوگ ان نمونوں کو بھلا دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں تاریخ ان قوموں سے تین طرح کا سلوک کرتی ہے:

۱. دشمن کے حملہ کے ذریعہ تباہ وبرباد ہو جانا
۲. بیگانہ نمونوں میں رچ بس جانا اور اپنے نمونوں کو بھلا دینا
۳. اصلی نمونوں کی طرف لوٹ جانا

ب: محدود اور مقید نمونے

وہ سماج جس کی نظر ایک روشن مستقبل اور خوشحال زندگی پر ہوتی ہے، لیکن وہ مستقبل کو پوری طرح ترسیم نہیں کر پاتے؛ اس لئے کہ ان کی تمنائیں اور آرزوئیں محدود ہیں، ایسے عاقبت اندیش لوگ مستقبل میں خطرات سے روبرو ہوتے ہیں؛ اس لئے کہ وہ ایک محدود مقام میں رہ کر ہدف کا تعیین کرتے ہیں اور مطلق سازی کا ارادہ رکھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ہدف ذہنی ہے اور ذہن مستقبل کی سجاوٹ میں بخوبی ان کی مدد کر سکتا ہے اور ان میں نشاط ایجاد کر دیتا ہے لیکن بہت جلد اس کی محدودیت کا اندازہ ہو جاتا

---

۱. سورہ مائدہ، آیت ۱۰۴۔
۲. سورہ قصص، آیت ۳۸۔

ہے اور ان کے لئے مشکل ساز ہو جاتا ہے اس لئے کہ ان کے لئے محدود اہداف کمال مطلوب کا حصہ بن جاتے ہیں اور ٹھیک مشکل وہیں سے جنم لیتی ہے جہاں سے انہوں نے محدود کے ذریعہ مطلق سازی کی تھی۔

بطور مثال یوروپین سماج میں جینے والے انسانوں نے موجودہ دور کے آغاز میں آزادی کاایک خوبصورت مفہوم تیار کیااس لئے کہ اس وقت وہ مختلف قید و بند اور مصائب وآلام کا شکار تھے،اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ افکار سے قید و بند کی زنجیروں کو توڑ دینا چاہئے لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ آزادی ایک ڈھانچے کا نام ہے جسے ایک محتویٰ اور مضمون کی ضرورت ہے، آزادی ہمیشہ اقدار کے لئے ڈھانچہ بنتی ہے لیکن اس میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ انسانوں کی اصلاح کرسکے اسی وجہ سے آج کا یوروپین انسان راستہ بھٹک چکا ہے اور اپنی آزادی کو کمال مطلق کا نام دے چکا ہے جب کہ آزادی صرف اور صرف ایک ظرف کا نام ہے اور اسے مظروف کی ضرورت ہے، وہ محتوا کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے،اسی وجہ سے اس آزادی کے نام پر موجودہ فساد وفحشاء مغربی تہذیب کی بدنامی کا باعث ہو چکی ہے[1]۔

ج: الٰہی نمونے اور الٰہی اہداف

یہ کمال مطلوب انسانی ذہن کا ثمرہ اور نتیجہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسا کمال یافتہ ہدف ہے جو خارج میں بذات خود موجود ہے[2]۔ خداوند عالم ایک موجود مطلق اور عالم خارج میں موجود ہے اس کی قدرت مطلق، اس کا علم بے انتہا اور عدل بھی مطلق ہے[3]۔

"یَا أَیُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ"[4]۔

ترجمہ: اے انسان! یقیناً تو اپنے پروردگار کی جانب پہنچنے کے لئے سخت کوشش میں مشغول ہے اور ایک دن ضرور اس سے ملاقات کرے گا۔

خدا پر ایمان اور وحی الٰہی سے ماخوذ عدالت پر مبنی عالمی حکومت ایک متوسط مقصد اور لقاء اللہ کے لئے ایک زینہ شمار کیا جاتا ہے۔ یہ ہدف تاریخ کی حرکت کے لئے ایک بہترین محرک بن سکتا ہے، ظہور کے

---

۱. مصطفیٰ ملکوتیان، سیری در نظریہ ہای انقلاب، ص ۱۵۲۔

۲. ایضاً۔

۳. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص ۱۸۳۔

۴. سورہ انشقاق، آیت ۶۔

مقدمات فراہم کرنے کے لئے اس مقصد کو اور زیادہ پروان چڑھانا ہوگا تاکہ اس طرح شیعوں کے دلوں میں زبردست امید کا چراغ روشن ہو اور وہ آخر الامر عدالت پر مبنی عالمی حکومت کی سمت جا سکیں۔

ارادہ اور تاریخ کی حرکت

الف: ارادہ اور انسان

ہر انسان اس دنیا میں اپنی روحی طاقت کے مطابق اثر گذار ہو سکتا ہے، انسان جس قدر کمال کی منزلوں کو طے کرتا جائے گا اسی حد تک اس کائنات پر اپنا اثر چھوڑتا جائے گا۔ شہید صدرؒ فرماتے ہیں:

> ''اسلام اور قرآن کا عقیدہ ہے کہ ظاہر و باطن میں تبدیلی ایک ساتھ ہونی چاہئے تاکہ انسان اپنے باطن پر یعنی اپنی روح، فکر، ارادہ اور خواہشوں پر قابو پا سکے، اس بنیادی چیز کو خارجی چیز یعنی بدن سے ہم آہنگ ہونا چاہئے، چونکہ کسی بھی ظاہری بنیاد کو باطنی بنیاد سے خالی تصور نہیں کیا جاسکتا لہٰذا اسلام نے باطنی بنیاد کو جب وہ اپنے صحیح راستہ پر گامزن ہو تو اسے جہاد اکبر کا نام دیا ہے اور جب ظاہری بنیاد اپنی واقعی اور صحیح مسیر پر لگ جائے تو اسے جہاد اصغر کا نام دیا ہے اور کہا جاتا ہے جب بھی جہاد اکبر، جہاد اصغر سے جدا ہو جائے گا وہ اپنی اصالت اور محتویٰ سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور اس میں اتنی صلاحیت نہیں ہوگی کہ وہ تاریخ اور سماج میں کوئی حقیقی اور موثر اقدام کر سکے پس ضروری ہے کہ یہ دونوں عمل ایک ساتھ انجام پائیں، جب بھی ان میں سے ایک دوسرے سے جدا ہوگا وہ اپنی حقیقت سے دور اور محتویٰ سے خالی ہو جائے گا... پس اگر جہاد اکبر جہاد اصغر سے الگ ہو جائے تو کوئی بھی مفید باطنی تبدیلی پیدا نہیں ہوگی۔''[۱]

ب: ارادہ اور اسلامی حکومت

امام کاظم علیہ السلام ہارون سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''انا امام القلوب وانت امام الجسد''[۲]۔

ترجمہ: میں دلوں کا امام ہوں اور تو جسموں کا امام ہے۔

---

۱. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص ۱۴۷۔
۲. ابن حجر ہیتمی، الصواعق المحرقہ، ص ۲۰۴۔

اسلامی حکومت کی بنیاد مومنوں کی دلوں میں رکھی جاتی ہے، وہ دل جو رحمان کا عرش ہے اور اس پر خدا کی حکومت ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت کی بنیادانسانوں کے ارادے اور ہمت پر قائم ہے نہ کہ رعب ووحشت پر۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جب بھی وہ توصیف شدہ لوگوں کی تعداد ۳۱۳ تک پہنچ جائے گی تو تمہاری مراد یعنی حکومت عدل الٰہی قائم ہو جائے گی"[۱]۔

اسی وجہ سے اسلامی حکومت کا سارادارومدار ارادہ اور ہمت پر ہے۔ ائمہ معصومین علیہم السلام سے مروی روایتیں ظہور کے مقدمات فراہم کرنے والے اور حضرت مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے اصحاب کی اس طرح تعریف وتوصیف کرتی ہیں:

"انہوں نے کوشش تاکہ پاک وثابت اور مہذب بن جائیں بالکل اس شمشیر کی طرح جسے لوہار نے خوب صیقل دیا ہو"[۲]۔

ج: ارادہ اور تاریخ

انسان اپنی فکر کے علاوہ اپنے ارادہ سے بھی تاریخ کی سیر وحرکت میں موثر واقع ہوتا ہے؛ یہاں تک کہ ایک الٰہی انسان اپنے ارادہ کے ذریعہ پوری انسانیت کی تقدیر کو بدلنے کی طاقت رکھتا ہے۔ وہ لوگ جو تاریخ کی حرکت میں انسانوں کی تاثیر کو بعید یا بہت ناچیز گردانتے ہیں، شہید صدرؒ ان کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"اس سوال (تاریخ میں انسان کی عدم تاثیر گذاری) کا سرچشمہ حقیقت میں ایک خاص فکر ہے جس کی بناپر وہ تاریخ کی اس طرح تفسیر کرتے ہیں کہ انسان تاریخ کی حرکت میں ایک ثانوی اورفرعی حیثیت رکھتا ہے اور اصلی سبب مادی اور خارجی عوامل ہیں جنھوں نے پوری طرح انسانوں کو اپنے قبضہ میں لے رکھا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک انسان اپنی بہترین حالت میں بھی اسی خارجی عامل کی تفسیر اور آئینہ ہے اور اس کے علاوہ وہ کچھ بھی نہیں ہے جب کہ تاریخ کی بنیاد دو چیزوں پر قائم ہے؛ایک انسان اور دوسرے وہ مادی عوامل واسباب جنھوں نے اس کا احاطہ کرر کھا ہے۔ جس طرح مادی عوامل انسان پر اپنااثر چھوڑتے ہیں اسی طرح انسان

---

۱. نعمانی، الغیبۃ، ص ۲۰۳۔

۲. بحارالانوار، ج ۵۱، ص ۱۱۶۔

بھی اپنے اطراف اور دیگر خارجی عوامل و اسباب کو اپنی ذات سے متاثر کرتا ہے۔

... پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنی آسمانی رسالت کے محقق ہونے کے بعد تاریخ کی حرکت کو اپنے اختیار میں لیا اور تہذیب و تربیت کی ایک طویل داستان رقم کی جب کہ خارجی اور مادی عوامل اسے خلق کرنے سے عاجز اور ناتواں تھے... اور جو کچھ بھی پیغمبر اکرم ﷺ کے ہاتھوں قابل تحقق تھا وہ آئندہ امام منتظرؑ کے ہاتھوں محقق ہوگا"[۱]۔

شہید صدرؒ نہ صرف تاریخ کی حرکت کو انسان کی حرکت سے وابستہ سمجھتے ہیں بلکہ انسان کی حرکت کو تاریخ کی حرکت کی بنیاد قرار دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"انسان کا باطنی محتویٰ یعنی اس کی فکر اور ارادہ تاریخ کی حرکت کی بنیاد ڈالتا ہے۔ اس حرکت کی بنیاد اور اس کا سارا دار و مدار بلکہ اس کی ہر خصوصیت سب کی سب انسان کی باطنی طاقتوں پر منحصر ہے اور اس کی ہر قسم کی ترقی اور تبدیلی انسان کی انہیں بنیادی طاقتوں کی تبدیلی و ترقی پر منحصر ہے اور اس طرح ایک سماج میں تبدیلی اور ترقی شروع ہوتی ہے، پس یہ بات روشن ہے کہ جب تک یہ بنیاد قائم رہے گی اس وقت تک سماج کی بنیادیں قائم اور مستحکم رہیں گی، مذکورہ بیان کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ انسان کے باطنی محتویٰ اور ایک سماج کے تاریخی اور اجتماعی بنیادوں کے آپسی روابط، حقیقت میں تابع و متبوع یا علت و معلول کا حکم رکھتے ہیں"[۲]۔

"اِنَّ اللهَ لایُغَیِّرُ مَابِقَومٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَابِاَنفُسِهِم"[۳]۔

ترجمہ: بے شک خداوند عالم کسی بھی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے آپ میں تبدیلی ایجاد نہ کریں۔

اس آیت کا بیان ہے کہ کسی بھی قوم کی سماجی اور ثقافتی تبدیلی و ترقی خود اسی قوم کے حالات و شرائط پر موقوف ہے۔ بنیادی تبدیلی ایک ایسی تبدیلی کو کہا جاتا ہے جو خود اسی قوم کے بطن سے جنم لیتی ہے اور اس کے بعد دیگر تبدیلیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں جیسے کہ اجتماعی تبدیلی یا تاریخی تبدیلی یا نوعی تبدیلی سب کی سب اسی بنیادی تبدیلی کے بعد وجود میں آتی ہیں[۴]۔

---

۱. رہبری بر فراز قرون، ص ۱۱۱۔
۲. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص ۱۴۶۔
۳. سورہ رعد، آیت ۱۱۔
۴. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص ۱۴۶۔

قوانین و سنن تاریخ

اگر تاریخ کی حرکت کو اختیاری تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حرکت کے ابزار اور وسائل کیا ہیں؟ اس سوال کے جواب میں فلسفہ کے ماہرین نے مختلف راہیں پیش کی ہیں شہید صدرؒ اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

"کائنات کے جملہ امور میں خدا کی سنتیں اور اس کے قوانین حکم فرما ہیں اور ان سب میں تین خصوصیات پائی جاتی ہیں:

۱. وہ سب کے سب الٰہی ہیں اور خدا کی حاکمیت کو محقق کرتی ہیں۔
۲. ان سب کے درمیان عمومیت پائی جاتی ہے اور انہیں اتفاق کا نام نہیں دیا جاسکتا اس لئے کہ "ہماری سنتیں ہرگز تبدیل نہیں ہوتیں"[۱]۔
۳. خدا کی سنت میں انسان کے ارادہ کی گنجائش پائی جاتی ہے اور وہ آزاد ہوتا ہے یعنی انسانوں کو خدا نے صلاحیت بخشی ہے کہ وہ اپنی قسمت کو خود سنواریں اور وہ سنتیں جو ان کے حق میں مسلم ہوچکی ہیں انہیں خود اپنے ہاتھوں سے انتخاب کریں[۲]۔

ایسے قوانین اور تاریخ کی سنتوں کی تین قسمیں ہیں[۳]:

الف: شرطیہ قوانین: یعنی دو واقعات کے درمیان تاریخی اعتبار سے رابطہ قائم ہوتا ہے۔ جب بھی شرط محقق ہوگی تو اس کی جزا کا محقق ہونا اور وجود میں آنا لازمی امر ہے، ہم نے اس مسئلہ کو مختلف شعبہ جات میں طبیعی سنتوں اور قوانین کے درمیان ملاحظہ کیا ہے، بطور مثال؛ اگر پانی حرارت کی وجہ سے سو ڈگری تک پہنچ جائے تو وہ کھولنے لگتا ہے۔ یہ طبیعی قانون شرط و جزا کے درمیان رابطہ کی خبر دے رہا ہے کہ جیسے ہی پانی کو حرارت اور آگ کی مجاورت حاصل ہوتی ہے اس میں ابال کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔

ایسے قوانین انسان کی روزمرہ کی زندگی میں اسے بڑا فائدہ پہنچاتے ہیں اور اس کی تعلیم و تربیت میں اہم کردار نبھاتے ہیں، اس لئے کہ انسان ایسے قوانین سے واقفیت کی صورت میں اپنے وجود میں شرط کی جزا کی تلاش میں سرگرم ہوجائے گا پس جب وہ اپنے وجود کو ایک شرط کے مقابلے میں ایک جزا کا محتاج دیکھتا ہے

---

۱. سورہ اسرا، آیت ۷۷۔
۲. سیری در نظریہ ہای انقلاب، ص ۱۵۳۔
۳. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص ۱۱۰۔

تو شرط کو فعال کرنے کے ذریعہ قانون کو جامہ عمل پہناتا ہے اور جب بھی شرط اس کی مصالح و منافع سے ناسازگار ہو یا اسے ناپسند ہو تو وہ شرط کے تحقق کو روک کر جزا کے تحقق پر پابندی عائد کر دیتا ہے۔

خداوند عالم کا ارادہ ہے کہ وہ انسانوں کو ایک منظّم و مسلّم نظام سے آشنائی دلا کر اسے اس نظام میں اس کے کردار کو دکھائے اور ان تمام چیزوں سے واقف کرائے جو اس کی عام زندگی میں مفید واقع ہو سکتے ہیں تا کہ اس آشنائی کے ذریعہ وہ اپنی ضرورتوں کو خود اپنے ہاتھوں سے پورا کر سکے۔

ایسی قدرت اور ایسا اختیار انسانوں کو اس لئے دیا گیا ہے تا کہ وہ کائنات کے مسلم اور منظّم قانون کو اچھی طرح پہچان سکے اور اس حقیقت سے بھی واقف ہو جائے کہ طبیعت کے قوانین اس کے لئے بصورت قضیہ شرطیہ قرار دیئے گئے ہیں۔

انہیں خصوصیات کو ہم تاریخ کی سنتوں کے سب سے پہلے مرحلہ میں مشاہدہ کر سکتے ہیں، اس لئے کہ تاریخ کی بیشتر سنتیں قضیہ شرطیہ کی شکل میں لباس وجود سے آراستہ ہوئی ہیں، ایسے قضیہ میں دو اجتماعی یا تاریخی واقعے ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں بطور مثال:

"اِنَّ اللهَ لَا یُغَیِّرُ مَابِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُ وامَا بِاَنۡفُسِھِمۡ"

یہ ایک تاریخی قانون شمار کیا جاتا ہے جسے یہاں پر قضیہ شرطیہ کی شکل میں بیان کیا گیا ہے اس لئے کہ اس میں دو تبدیلیوں کے درمیان ایک گہرے رابطہ کو بیان کیا گیا ہے، یعنی انسان کی باطنی تبدیلی اس کے ظاہری تبدیلی کا پیش خیمہ ہے، جب بھی لوگوں کے باطن میں تبدیلی واقع ہو گی ان کی ظاہری بنیادوں میں تبدیلی نمایاں ہو گی اور اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہے۔

ب: قطعی قوانین: ایسے تاریخی قوانین اٹل ہوتے ہیں یعنی ان کا واقع ہونا کسی دوسری چیز پر منحصر اور موقوف نہیں ہوتا، اس قانون کے لئے کائنات سے کچھ مثالیں اور شاہد پیش کئے جا سکتے ہیں، علم ہیئت میں جب بھی سیاروں کی گردش کے مطابق کوئی علمی حکم نافذ کیا جاتا ہے تو اس میں کسی قسم کی کوئی غیر منتظرہ حالت کی گنجائش باقی نہیں رہتی بطور مثال؛ سورج کو فلاں دن گہن لگے گا یا فلاں رات میں خسوف واقع ہو گا، انسانوں میں اتنی توانائی نہیں ہے کہ وہ اپنے اختیار سے اس حادثہ کے حالات وشرائط میں کوئی تبدیلی ایجاد کر سکیں، ایسے قضیے آئندہ حوادث کی خبر دیتے ہیں اور ان کی خبر قطعی اور انکار ناپذیر ہوتی ہے۔

ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ تاریخی قوانین کی دوسری صورت نے یورپ کو توہم کا شکار بنا دیا ہے اس لئے کہ ان کی نظر میں یہ قوانین انسان کی آزادی اور اس کے اختیار کے خلاف ہیں، اس غلط تصور کا ماننا ہے کہ تاریخی سنتیں انسان کی آزادی اور اس کے اختیار سے میل نہیں کھاتی ہیں اس لئے کہ اگر تاریخ کی سنتیں

انسان کی زندگی میں اس کے راستہ کا تعین کرتی ہیں تو پھر انسان کے لئے آزادی کا مفہوم باقی نہیں رہ پائے گا لہٰذا انسان کے اختیار اور ارادہ کو تاریخ کی سنتوں پر قربان کر دیا ہے اور اسی طرح بعض نے تاریخ کی سنتوں کو انسان کی آزادی اور اختیار پر قربان کر دیا ہے، ان لوگوں کا خیال ہے کہ تاریخ کی سنتوں کا تعلق صرف اور صرف اسی دوسری قسم (قطعی قوانین) سے ہے، جب کہ صفحہ تاریخ پر اگر اس کی سنتیں صرف اور صرف اسی شکل وصورت میں ظاہر ہوتیں تو پھر انسانوں کو جانفشانی کرنے اور رنج والم اٹھانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن اس توہم کے بطلان کے لئے سنت کی پہلی قسم پر توجہ کو مبذول کرنا چاہئے جس کا تعلق قضیہ شرطیہ سے ہے، اس لئے کہ اس قضیہ میں موجود شرط انسان کے ارادہ اور اختیار کو بیان کرتی ہے اور انسان کا ارادہ اس قضیہ کی جان اور اصلی شرط کے عنوان سے اس میں موجود ہے۔

پس "اِنَّ اللّٰہَ لا یُغَیِّرُ مَا بِقَومٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِاَنفُسِھِم" کے پیش نظر خداوند عالم کسی بھی قوم کی حالت اسی وقت بدلتا ہے جب وہ پہلے اپنے آپ کو بدل ڈالے۔ یعنی ان پر واجب ہے کہ پہلے وہ خود اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں۔ لہٰذا جب تاریخ کی سنتوں کو قضیہ شرطیہ کے آئینہ میں ملاحظہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز نہ تنہا انسان کے ارادہ اور اختیار سے متضاد نہیں ہے بلکہ اس کے ارادے اور آزادی پر زور بھی دیتی ہے اور اس کی جملہ کاوشوں کا ثمرہ بھی دکھاتی ہے تاکہ اس کے سامنے تکامل کی راہیں کھولی جاسکیں اور اس نتیجہ کی روشنی میں انسان مقصد کے حصول تک بڑھتا رہے۔

ج: رجحانی قوانین: ایسی سنتیں انسانی تاریخ میں طبیعی رجحانات کی شکل میں پائی جاتی ہیں اور ان کا تعلق ہرگز قطعی قوانین سے نہیں ہے، یہ قوانین تاریخ کی حرکت اور انسان کے فطری رشد میں مؤثر ہیں۔ ایسی سنتی انعطاف پذیر ہیں لہٰذا ان کا مقابلہ بھی کیا جاسکتا ہے لیکن ان سے مقابلے کی مدت بہت قلیل ہوا کرتی ہے جیسے مرد و عورت کی ایک دوسرے سے متعلق طبیعی خواہشیں۔ قرآن کریم نے ایسی سنتوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

"قَاتِلُواْ الَّذِينَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَلاَ يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُواْ الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ"[۱]۔

ترجمہ: ان لوگوں سے جہاد کرو جو خدا اور روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور جس چیز کو خدا اور رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں سمجھتے اور اہل کتاب ہوتے ہوئے بھی دین حق کا التزام نہیں کرتے

۱. سورہ توبہ، آیت ۲۹۔

یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں سے ذلت کے ساتھ تمہارے سامنے جزیہ پیش کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

"وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُواْ التَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيهِم مِّن رَّبِّهِمْ لأَكَلُواْ مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاء مَا يَعْمَلُونَ"[۱]۔

ترجمہ: اور اگر یہ لوگ توریت وانجیل اور جو کچھ ان کی طرف پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے سب کو قائم کرتے تو اپنے اوپر اور قدموں کے نیچے سے رزق خدا حاصل کرتے، ان میں سے ایک قوم میانہ رو ہے اور زیادہ تر لوگ بدترین اعمال انجام دے رہے ہیں۔

"وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُواْ وَاتَّقَواْ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ وَلَـكِن كَذَّبُواْ فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُواْ يَكْسِبُونَ"[۲]۔

ترجمہ: اور اگر اہل قریہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ان کے لئے زمین اور آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کو ان کے اعمال کی گرفت میں لے لیا۔

"وَأَلَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا"[۳]۔

ترجمہ: اور اگر یہ لوگ سب ہدایت کے راستے پر ہوتے تو ہم انہیں وافر پانی سے سیراب کرتے۔

"لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللّهِ إِنَّ اللّهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلاَ مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ"[۴]۔

ترجمہ: اس کے لئے سامنے اور پیچھے سے محافظ طاقتیں ہیں جو حکم خدا سے اس کی حفاظت کرتی ہیں اور خدا کسی قوم کے حالات کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے کو تبدیل نہ کرلے اور جب خدا کسی قوم پر عذاب کا ارادہ کر لیتا ہے تو کوئی ٹال نہیں سکتا ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی کسی کا والی و سرپرست ہے۔

اسی طرح تاریخ کی انکار ناپذیر سنت کمزور و ضعیف لوگوں کی فتحیابی ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم قرآن کریم میں فرماتا ہے:

"وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ"[۱]۔

---

۱. سورہ مائدہ، آیت ۶۶۔

۲. سورہ اعراف، آیت ۹۶۔

۳. سورہ جن، آیت ۱۶۔

۴. سورہ رعد، آیت ۱۱۔

ترجمہ: اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو زمین میں کمزور بنادیا گیا ہے ان پر احسان کریں اور انہیں لوگوں کا پیشوا بنائیں اور زمین کا وارث قرار دے دیں۔
البتہ یہ بات یاد رہے کہ وعدہ الٰہی کا تعلق علم غیب سے ہے اور تاریخ بھی اسی کا ایک حصہ ہے لیکن اس کی تعجیل، تاخیر اور تحقق، تاریخ وظہور کے اختیاری ہونے کی بناپر انسانوں کے کاندھوں پر ہے۔

عقلانیت افعال الٰہی کا سر چشمہ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خداوند عالم اپنے افعال اور ارادے کو مسلّم قوانین اور ظاہری اسباب کو ختم کر کے معجزہ کے ذریعہ انجام دینے کی طاقت اور قدرت رکھتا ہے، اس کے باوجود حکمت کے تقاضے کے پیش نظر اس نے ایسے قوانین وضع کئے ہیں جنھیں انسان حاصل کر سکتا ہے جو ہر حال میں ثابت اور اٹل ہیں خداوند عالم بہت کم مقامات اور حکمت کے پیش نظر ان قوانین سے چشم پوشی کرتے ہوئے معجزہ کا استعمال کرتا ہے اسی وجہ سے پورے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ عقلانیت، افعال الٰہی کا سر چشمہ ہے۔
شہید صدرؒ کا تعلق ان لوگوں میں سے ہے جنھوں نے افعال الٰہی میں بہت غور وخوض کیا ہے اور ان میں پوشیدہ عقلانی حکمتوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، گویا ان کے نزدیک افعال الٰہی کا مجریٰ اور سر چشمہ حقیقت میں عقلانیت اور طبیعی اسباب وعلل ہیں، جیسا کہ ایک مقام پر فترت کی حکمت یعنی وہ دور جو کسی بھی نبی اور رسول کے وجود سے خالی تھا اور دین اسلام کے ظہور میں تاخیر کے اسباب وعلل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "اجتماعی تبدیلیاں الٰہی سر چشمہ سے وابستہ ہیں لیکن مرحلہ نفاذ میں وارد ہونے کے لئے خارجی شرائط و حالات سے وابستہ ہیں، اسی وجہ سے آسمان کو انتظار کرنا پڑا تا کہ دور جاہلیت کی پانچ صدیاں گزر جائیں اس کے بعد اس نے اپنا آخری پیغام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ بھیجا جب کہ فترت کے زمانے میں دنیا کو ایک رسول کی اشد ضرورت تھی لیکن خارج میں شرائط کے فراہم نہ ہونے کی وجہ سے ان کے تحقق تک یہ رسالت بھی متحقق نہ ہو سکی اور تاخیر ہوتی

ایک دوسرے مقام پر امام زمانہؑ کی غیبت کے طویل ہونے کے اسباب وعلل بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

---

۱. سورہ قصص، آیت ۵۔
۲. رہبری بر فراز قرون، ص ۱۰۶۔

''رہبر منتظر (امام زمانہؑ) کی کامیابی کا ایک راز آپ کی طویل عمر ہے، ایک بنیادی اور حقیقی تبدیلی کے لئے ضروری ہے کہ رہبری اور قیادت ایسے بے نظیر انسان کے ہاتھوں میں ہو جو روحی اعتبار سے مافوق تصور بشر ہو تاکہ وہ اپنے مذہب کی جامع معلومات اور اس کی صلاحیتوں اور بلند معیارات کی شناخت رکھتا ہو اور موجودہ نظام جسے ختم کرنا ہے، اس کی کمزوریوں سے باخبر ہو تاکہ ایک نئی تہذیب اور تمدن کی بنیاد اس کے ویرانوں پر قائم کر سکے''[۱]۔

حضرت مہدیؑ کو ایک طویل عمر ملنا چاہیئے تاکہ مختلف نسلوں کے ساتھ ہمراہ ہوں، تاریخ کے مختلف ادوار میں، انسانیت کی بلندیوں سے تاریخ کے اتار چڑھاؤ اور کمال کی جانب انسانیت کی ترقی کو اچھی طرح نظارہ کریں اور آخر کار اجتماعی تجربوں کے ایک عظیم ذخیرے اور سنت الٰہی کے قانون کے مطابق انسانی معاشرہ تاریخ کی رہنمائی اور باگ ڈور اس کے حوالے کردے اور اس طرح خلافت الٰہیہ کا سب سے عظیم اور آخری مرحلہ تحقق پذیر ہو سکے[۲]۔

علامہ شہید صدرؒ رہبران الٰہی کی جان کی حفاظت کے لئے معجزہ کو استعمال کرنے کے اسباب و علل کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''شاید ابھی تک جو واقعات مشاہدہ ہوئے ہیں ان سے ایک کلی نتیجہ برآمد کیا جاسکے اور وہ یہ کہ جب بھی زمین پر حجت خدا کی سلامتی اور جان کی حفاظت کسی اہم مقصد کے لئے ضروری ہو تو اس وقت لطف الٰہی باعث ہوتی ہے کہ طبیعی قوانین وقتی طور پر تعطیل کردئے جائیں لیکن اپنی مہم کو انجام تک پہنچانے کے بعد وہ طبیعی قوانین کے پیش نظر وفات پاتا ہے یا اسے شہادت نصیب ہوتی ہے''[۳]۔

آیت اللہ صدر غیبت کبریٰ سے قبل غیبت صغریٰ کے وقوع پذیر ہونے کو عین عقلانیت قلمداد کرتے ہیں اور اس منطقی مہم کی اس طرح وضاحت فرماتے ہیں:

''یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر غیبت کبریٰ اچانک اور بغیر کسی تمہید کے رونما ہو جاتی تو امامت کے حامیوں اور عوام کو زبردست دھچکا لگتا کیونکہ اس سے قبل وہ اپنے امام (ع) سے ملاقات کرتے تھے اور مشکلات میں ان سے رجوع کرتے تھے اور اب اگر اچانک امام (ع) غائب ہو جاتے اور لوگوں کو

---

۱. رہبری بر فراز قرون، ص۱۰۶۔
۲. نظریہ ہای سیاسی شہید صدر، ص۱۸۰۔
۳. رہبری بر فراز قرون، ص۷۵۔

یہ احساس ہوتا کہ اب اپنے معنوی اور دینی قائد سے ان کا ناطہ ٹوٹ چکا ہے تو بہت ممکن تھا کہ سب کچھ ختم ہو جائے اور وہ لوگ بکھر جائیں۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ اس غیبت کہ لئے تمہید تیار کی جائے تاکہ لوگوں کو اس کی عادت سی پڑ جائے اور خود کو اس کے مطابق ڈھال سکیں"[1]۔

ایک عظیم انقلاب کا ظہور

ظہور کی ماہیت انقلابی ہے لیکن دنیا کے دیگر انقلابات سے کہیں برتر ہے، انقلاب کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے:

"انقلاب کسی بھی ملک کے اجتماعی نظام اور سیاسی شعبہ جات میں ایک ناگہانی تبدیلی کا نام ہے جس کی وجہ سے حکومت کے تختے الٹ جاتے ہیں اور دوسری حکومت قائم ہوتی ہے"[2]۔

لیکن شہید صدرؒ کی نظر میں انقلاب نظریاتی ہوتا ہے۔ انقلاب یعنی موجودہ ذلت بھری زندگی سے چھٹکارا اور ایک ایسی زندگی کی طرف گامزن ہونا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود دعوت دی ہے:

"اے ایمان لانے والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کی خبر دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دلا سکے؟ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس کی راہ میں مال و جان سے جہاد کرو، اگر اس کو سمجھ لو تو تمہارے لئے بہت بہتر ہے"[3]۔

شہید صدرؒ کی نظر میں کسی بھی انقلاب میں تین چیزوں کا اہم کردار ہوتا ہے: عقل، جذبات اور عمل، جس کی وجہ سے ہر انقلاب میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں؛

۱. انقلابی تحریک آگاہی پر مبنی ہوتی ہے۔
۲. انقلاب میں استقامت پائی جاتی ہے ۔
۳. موجودہ حالت سے مقابلہ۔
۴. ایک بہتر زندگی بنانے کے لئے متعلقہ مکتب فکری کی روشنی میں سابقہ اصول و قوانین کو ختم کر کے بنیادی تبدیلیاں لانا۔

کسی بھی عظیم انقلاب کی کامیابی کے لئے ان چار رکن کا ہونا بہت ضروری ہے:

---

۱. ایضاً۔
۲. نظریہ ہای سیاسی شہید صدر، ص ۱۷۳۔
۳. سورہ صف، آیت ۱۰، ۱۱۔

۱. ایک ایسے مکتب فکر اور آئیڈیالوجی کا ہونا جو انسانوں کی فطری خواہشات کا جواب دے سکے اور عقل و منطق کی بنیادوں پر استوار ہو۔
۲. مناسب امکانات اور سہولیات کا ہونا۔
۳. انسانوں کے ارادے اور اختیار کی بنیاد پر ہونا تا کہ وہ اپنے فیصلے اور ارادے سے اس تحریک کو جاری رکھ سکیں۔
۴. تحریک اور انسانی سیلاب کا تغیر و تبدیلی کی جانب گامزن ہونا[1]۔

مذکورہ بیان کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیا کے سابقہ تمام عظیم انقلابات جیسے انگلینڈ، امریکہ، فرانس، روس اور چین کے انقلاب، ماہرین کی نظر میں اگرچہ اہمیت کے حامل ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی حقیقی انقلاب نہیں ہے بلکہ دینی بنیادوں پر استوار ایک آسمانی انقلاب ہی سماج میں بنیادی تبدیلی کے ذریعہ ایک عظیم اور اصلی انقلاب کی بنیادوں کو استوار کر سکتا ہے[2]۔

شہید صدرؒ کا عقیدہ ہے کہ دینی رہنماؤں کی اصلاح و تربیت بھی دیگر اجتماعی اصلاحات کی مانند طبیعی اسباب و ذرائع کے ذریعہ سے امکان پذیر ہے اور یہ بھی ایک مسلم تاریخی سنت ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''اجتماعی تبدیلیاں جن کا سر چشمہ ذات اقدس الٰہی ہے، اجرائی اعتبار سے خارجی شرائط پر منحصر ہیں، اس کی کامیابی اور اس کی انجام دہی بھی اسی سے وابستہ ہے، خدا کی اٹل سنت کا فیصلہ ہے کہ اصلاحی تبدیلیاں، خارجی عوامل کے مہیا ہونے اور عمومی فضا بنانے کے بعد ہی میسر ہے''[3]۔

ایک مقام پر جنگ بدر جس میں مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی تھی اور جنگ احد جس میں انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا، ان کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''مسلمان جنگ بدر میں کامیاب ہوگئے تھے اس لئے کہ خود انہوں نے فتحیابی کے شرائط مہیا کر لئے تھے جس کی بنیاد پر مسلمانوں کا کامیاب ہونا ضروری تھا اور وہ کامیاب بھی ہوئے اور اسی طرح جنگ احد میں مسلمانوں نے شکست کے شرائط مہیا کئے جس کی وجہ سے انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا''[4]۔

---

۱. نظریہ ہای سیاسی شہید صدر، ص۱۷۸۔
۲. ایضاً، ص۱۷۹۔
۳. رہبری بر فراز قرون، ص۱۰۷۔
۴. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص ۵۴۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ گمان پیدا نہ ہو کہ کامیابی اور فتحیابی مسلّم اور قطعی حق ہے جسے اس نے تمہاری ذات سے مخصوص کر دیا ہے؛ اس لئے کہ کامیابی ایک طبیعی حق ہے جسے محقق کرنے کے لئے اس کے شرائط اور حالات کو محقق کرنا ضروری ہے اور خداوند عالم نے اس کائنات میں کامیابی کے لئے کچھ شرائط رکھے ہیں جس کی بناپر کامیابی کے شرائط کا انہیں قوانین اور سنتوں کے مطابق ہونا بہت ضروری ہے"[1]۔

اسی وجہ سے ظہور میں انقلاب کی ماہیت کا ہونا بہت ضروری ہے جس کی طرف تاکید کرتے ہوئے شہید صدرؒ فرماتے ہیں:

"حضرت مہدی(ع) کا انقلاب تمام انقلابات کی مانند عینی اور خارجی شرائط کا محتاج ہے لہذا اس کے لئے مناسب فضا بنانے کی اشد ضرورت ہے"[2]۔

کتابوں میں ایسی بہت سی روایتیں ملتی ہیں جو ظہور کو معجزہ ہونے کے بجائے اسے ایک جہاد اور انقلاب سے تشبیہ کرتی ہیں، جیسا کہ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"صاحب الامر(ع) کی تحریک ختم نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ میدان جنگ میں پسینہ بہائیں اور خون بہے"[3]۔

وہ تمام روایتیں جو صاحب الامر(ع) کے اصحاب کی شجاعت اور پائمردی کی گواہی دیتی ہیں اور وہ روایتیں جو انتظار کو افضل اعمال گردانتی ہیں وہ سب کی سب ظہور کے انقلابی ہونے کی گواہی دیتی ہیں۔

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام اسم اعظم اور ایسی طاقت و قدرت کے مالک ہیں کہ صرف چشم زدن میں پوری کائنات کو بدل سکتے ہیں:

"بِکُمْ یُمْسِكُ السَّمَاءَ وأَن تَقَعَ عَلَي الاَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ"[4]۔

لیکن ایسی طاقت کو عالمی انقلاب لانے کے لئے استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ انقلاب شیعوں کی ہمت اور ارادے سے شروع ہوگا اور کامیابی کی منزلوں کو طے کرے گا۔

---

1. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص ۵۴۔
2. رہبری برفراز قرون، ص ۱۰۸۔
3. بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۵۸۔
4. مفاتیح الجنان، زیارت جامعہ کبیرہ۔

بہر حال حضرت مہدی (عج) کی عالمی حکومت کی چار خصوصیتیں ہیں :

۱. پوری دنیا میں سیاسی اثر و رسوخ کا قائم ہونا۔

۲. پوری دنیا میں اسلامی تفکرات کا عام ہو جانا اور زمین کو شرک و کفر اور گمراہی و نفاق کی آلودگیوں سے پاک کرنا۔

۳. عدالت، امن وامان اور آسائش کا عام ہونا۔

۴. تمام انسانوں کے دلوں میں علم و تہذیب کا عام ہونا[1]۔

اس انقلاب کے لئے شرائط فراہم کرنے کی توفیق انہیں قوموں اور تہذیبوں کو نصیب ہوگی جو کوشش کرتے ہیں اور یہ تصور کتنا ہی احمقانہ ہے کہ کوئی یہ کہے کہ ایک خاص قوم خدا کی دوستدار ہے اور یہ گمان کرے کہ خدا نے ظہور کے لئے صرف ان کا انتخاب کیا ہے اور انہیں ایسی عظیم توفیق سے نوازا ہے۔ تاریخی سنتیں اور قوانین ایسے خیالات کو باطل قرار دیتے ہیں، اگر ہم ظہور کے مقدمات کو فراہم نہیں کرتے تو نابود ہو جائیں گے اور ظہور کسی دوسری قوم کے ہاتھوں محقق ہوگا۔ جناب شہید صدرؒ اسی خطرے کی یاد دہانی کرتے ہوئے ایک مقام پر فرماتے ہیں :

''جب بھی کوئی انسان اپنا تاریخی فرض پورا نہیں کرتا اور اپنی آسمانی ذمہ داری کو ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے (یہاں ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ آسمانی رسالت تعطیلی کا شکار ہو جائے اور یہ بھی مراد نہیں ہے کہ ان کے حق میں تاریخی قواعد جاری نہ ہوں بلکہ جو لوگ بھی اپنا فرض پورا نہیں کرتے) ان کی حالت بدل جائے گی، تاریخی سنتیں اور قوانین ان سے ایسے مواقع کو چھین لیں گی اور ان امتوں کے حوالے کر دیں گی جن میں اس کے شرائط مہیا ہوں گے اور انہیں وہ مقام و مرتبہ عطا کر دیں گے جو ظہور کی راہ میں بہترین کردار پیش کر سکیں''[2]۔

اسی طرح ایک مقام پر قرآن کریم بھی ارشاد فرماتا ہے :

''اگر تم عزم بالجزم نہیں کرتے تو خدا تمہیں ایک دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور ہرگز تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور خدا ہر چیز پر قادر و توانا ہے''[3]۔

---

۱. نظریہ ہای سیاسی شہید صدر، ص۱۸۱۔

۲. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص۵۵۔

۳. سورہ توبہ، آیت ۳۹۔

نظریہ ظہور کو سلامتی، فوجی، تہذیبی، اقتصادی اور سیاسی پہلوؤں سے پیش کرنا چاہئے اور ان میں سے ہر ایک پہلو کا ٹکنالوجی، حکمت عملی، آپریشن، اسٹریٹجک اور انتہائی اسٹریٹجک سطح پر مطالعہ ہونا چاہئے۔ اگر پانچ پہلوؤں کو پانچ سطوح سے ضرب کیا جاتا ہے تو پچیس مرحلہ وجود میں آتے ہیں، اور ہر مرحلہ کی مختلف علوم جیسے جغرافیہ، جامعہ شناسی، نفسیات اور صنعت کے ذریعہ تحقیق کی جانی چاہئے۔

بطور مثال؛ اگر ظہور کو اختیاری مان لیا جائے تو شیعوں کی طاقت وسلامتی اور تعجیل ظہور کے درمیان رابطہ پایا جاتا ہے، اس لئے کہ شیعوں کو جتنی طاقت اور سلامتی نصیب ہوگی ظہور کا زمانہ اتنا ہی نزدیک ہوتا جائے گا۔ یعنی خطرات اور مشکلات کی پہچان کے ذریعہ اس کے مدمقابل امن وسلامتی کو برقرار رکھ سکتے ہیں۔ نظریہ ظہور کو قائم ودائم رکھنے کے لئے عالم تشیع کے جغرافیہ کو پوری طرح سمجھنا بہت ضروری ہے تاکہ زمینی اعتبار سے شیعوں کو جو خطرات اور مشکلات لاحق ہیں وہ معلوم ہوجائیں، ان تمام مشکلات کے سلسلہ میں تحقیق ضروری ہے۔ شیعوں کے فنون اور صنائع بلکہ ان کے تغذیہ کا خیال رکھنا ضروری ہے تاکہ اس میں موجود مشکلات بھی حل ہوسکیں، جب ساری مشکلات اور خطرات کے سلسلہ میں معلومات جمع ہوجائیں تو ان کا اضداد سے موازنہ کیا جائے تاکہ اس طرح نظریہ ظہور کی حفاظت ہوسکے۔ اسی طرح ٹکنالوجی، حکمت عملی، آپریشن، اسٹریٹجک اور انتہائی اسٹریٹجک اعتبار سے بھی تحقیق کی ضرورت ہے تاکہ نظریہ ظہور کی حفاظت ممکن ہوسکے۔ جب یہ تمام مراحل طے ہوجائیں تب ثقافتی، اقتصادی، سیاسی اور فوجی اعتبار سے اس پر توجہ کی ضرورت ہے۔

مثال کے طور پر ثقافتی اعتبار سے نظریہ ظہور کی حمایت کا مطلب یہ ہے کہ اس نظریہ کو کانفرنس، مقالات، اخبارات اور علمی محافل و مجالس کے ذریعہ زندہ کیا جائے اور فروغ دیا جائے، اور انٹرنیٹ، سائٹ اور ٹیلی ویژن وغیرہ پر اس سے متعلق پروگرام پیش کیا جائے۔

مذکورہ تمام منصوبے عالم تشیع کے متحد ہونے پر موقوف ہیں، ظہور کے اختیاری تسلیم کرلینے کے بعد اس کی وادیوں میں قدم رکھنے کے لئے عالمی پیمانہ پر ظہور کے مقدمات فراہم کرنے والے لوگوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے اور یہ کمیٹی پوری دنیا سے شیعہ علما کو دعوت دے اور اس فکر کو ان کے درمیان عام کرے۔ صرف نظریہ کے عنوان سے اسے قبول کرلینا کافی نہیں ہے، بلکہ نظم وضبط کے ساتھ اسے عملی طور پر نافذ کرنا ہوگا۔ لہٰذا اس مقصد کو جامہ عمل پہنانے کے لئے کمر ہمت باندھ لیں اور ہر اعتبار سے غور و فکر اور مشورہ کریں تاکہ خطا کا امکان کم سے کم ہوجائے اور اس طرح اگر ہم چاہیں تو زمان ظہور کو نزدیک سے نزدیک تر کرسکتے ہیں۔

ظہور کے اختیاری ہونے کا نظریہ حقیقت میں بہت پرانا ہے لیکن اسے نئی زندگی دینے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ یہ راستہ بہت دشوار اور سخت ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ سخت اعمال ہی بہترین اعمال ہیں[۱]، اسی وجہ سے انتظار فرج کو بہترین اعمال قرار دیا گیا ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے بعد ایک ایسی قوم آئے کہ جس کے ایک فرد کا اجر تمہارے پچاس افراد کے اجر کی برابری کرے گا، اصحاب نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ: یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ہم لوگ جنگ بدر و احد اور حنین میں آپ کے ساتھ ساتھ تھے اور قرآن ہمارے درمیان نازل ہوا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ایسا اس لئے ہے کہ وہ لوگ جو مصیبتیں اور بلائیں برداشت کریں گے تم انہیں برداشت نہیں کر سکتے اور ان پر صبر نہیں کر سکتے[۲]۔ س ظہور چلا جانے والا ہے نہ کہ آنے والا لہٰذا ہمیں تاریخ کو ظہور سے ملحق کرنا ہوگا۔

منابع و مآخذ

۱. مرتضی مطہری، قیام وانقلاب امام مہدی از دیدگاہ فلسفہ تاریخ، انتشارات صدرا۔

۲. علی رضا نودہی، اختیاری بودن ظہور، مجلّہ موعود، شمارہ ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲۔

۳. ابوداود، سلیمان ابن الاشعث، صحیح سنن المصطفیٰ، ج ۲۔

۴. مرتضی مطہری، فلسفہ تاریخ، چاپ ہشتم، انتشارات صدرا۔

۵. ہگل، عقل در تاریخ، مترجم حمید عنایت، سخنی از مترجم۔

۶. سنت ہای تاریخ در قرآن، مترجم ڈاکٹر سید جلال الدین موسوی، چاپ سوم، انتشارات تفاہم۔

۷. ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ، ج ۱۶، چاپ پنجم، انتشارات دفتر نشر و فرہنگ اسلامی۔

۸. علی معموری، نظریہ سیاسی شہید صدرؒ، چاپ اول، انتشارات اشراق۔

۹. مصطفیٰ ملکوتیان، سیری در نظریہ ہای انقلاب، چاپ سوم، نشر قومس۔

۱۰. ابن حجر ہیتمی، الصواعق المحرقہ، انتشارات مکتبۃ القاہرۃ۔

۱۱. رہبری برفراز قرون، (ترجمہ بحث حول المہدی) ترجمہ مصطفیٰ شفیعی، نشر موعود۔

---

۱. ان افضل الاعمال احمزھا، بحار الانوار، ج ۷۹، ص ۲۲۸۔

۲. بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۱۳۰۔